فلسفۂ حدودِ اسلامی پر ایک نظر

جناب شاہد علی صاحب عباسی۔ ایم۔اے (اسلامک اسٹڈیز) جامعہ عثمانیہ۔

حدود[1] اسلامی کے نفاذ سے متعلق متعدد نقاط نظر سامنے آئے ہیں جن میں رحم ودیعت کردہ قدرت عام ہے گو اس کے بھی درجات ہیں، ان میں سے بعض اہم درج ذیل ہیں:

(ا) مادیت کی وبا سے متاثر افراد کا احتجاج

(ب) مفکّرین کا انسانی بنیادوں پر احتجاج

(ج) مفکّرین کا عقلی بنیادوں پر احتجاج

(د) مادیت سے متاثر تعلیم یافتہ ضعیف الایمان مسلمان کی نفی حدود یا تدریجی نفی حدود

(ہ) مادیت سے کم متاثر، کم تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ضعیف الایمان مسلمان کا تقلیدی اثباتِ حدود یا سکوت۔

---

[1] الحدّ لغۃً ھو المنع ومنہ الحدّاد للبوّاب وفی الشریعۃ ھو العقوبۃ المقدّرۃ حقاً للّٰہ تعالیٰ (الہدایہ مع الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ لابی الحسن علی بن ابی بکر فرغانی مرغینانی ملقب بہ برہان الدین۔ کتب خانہ رشیدیہ۔ دہلی۔ غ۔م۔ ج ۲ ص ۴۸۶ — آگے رمز ہدایہ)

(و) مادیت سے کم متاثرہ، کم تعلیم یافتہ یا تعلیم یافتہ اوسط الایمان مسلمان کا دفاعی یا سادہ اثباتِ حدود

(ز) مادیت سے برگشتہ، زمانے کے تقاضوں سے بخوبی واقف، تعلیم یافتہ قوی الایمان کا دیگر مطالبوں کے ساتھ اثباتِ حدود

ان میں صحت پر آخر الذکر یعنی مادیت سے برگشتہ، زمانے کے تقاضوں سے بخوبی واقف، تعلیم یافتہ، قوی الایمان مسلمان ہیں جن کی نظر دیگر علل کے ساتھ علتِ عظمیٰ یعنی امرِ الٰہی پر بھی ہے، جہاں تک اوّل الذکر یعنی مادّیت سے متاثرہ افراد کا احتجاج ہے اگر وہ قانون الٰہی کی حقیقت پر کما حقہٗ غور کیے بغیر احتجاج کر رہے ہیں تو قانون الٰہی کے بے بنیاد انکار کے ساتھ قانون انسانی کا حوالہ بے معنی ہے، اور اگر قانون الٰہی پر کما حقہٗ غور کیا ہے تو ہمارے نزدیک ان کا احتجاج ایک اذیت ناک مذاق ہے۔ رہا ثانی الذکر یعنی مفکرین کا انسانی بنیادوں پر احتجاج تو ہم اس کا استقبال کرتے اور ان کو مزید دعوت فکر دیتے ہیں کیونکہ انسانی بنیاد کی بات کرنے والے ما قبل جرم، دوران جرم اور ما بعد جرم مجرم اور معاشرہ کی داخلی اور خارجی کیفیات سے استغنا نہیں کر سکتے، انہی کے ذیل میں ہم رابع الذکر اور سادس الذکر حضرات سے بھی بطور خاص غور و فکر کرنے کی درخواست کرتے ہیں کیونکہ اگر ایک طرف ایک متبع اسلام کا دفاعی اثبات حدود معذرتانہ احساس دلاتا ہے تو دوسری طرف نفی حدود یا تدریجی نفی حدود کی طرف رجحان یا بالفاظ دیگر اصرار متأسف و متحیر کرتا ہے۔ ثالث الذکر حضرات سے ہم صرف اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ محض آپ ہی کی عقل معیار کیوں ہے؟ عقل یا تو مادّہ یا نفس کی تابع ہوگی یا اللہ کی تابع۔ اور ایک مسلمان اللہ کی تابع عقل کو عقل حقیقی اور مادہ یا نفس کی تابع عقل کو عقل مجازی سمجھتا ہے۔

سزا (عقاب، قصاص، تادیب ——— (Punishment

کے متعلق اثباتی و انکاری کئی نظریات[۱] سامنے آئے ہیں:

اثباتی | (۱) آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت (Lex Talionis)

(۲) دوسرے لوگوں کو عبرت ہوتی ہے اور وہ ارتکاب جرم سے رکتے ہیں۔

(۳) توازن اجتماعی کی تجدید یا از سر نو قیام۔

(۴) مجرم کی اصلاح۔

انکاری | (۵) فرد کو تنہا کر سکتی ہے۔

(۶) اپنا رویہ بدلنے کے بجائے وہ زیادہ محتاط ہو سکتا اور گرفتاری سے بچنے کی زیادہ کوشش کر سکتا ہے۔

(۷) فرد میں عادتاً نئے اور غیر پسندیدہ رجحانات مثلاً خوف یا خود اعتمادی کی کمی پیدا کر دیتی ہے۔

(۸) اپنے ساتھیوں میں بلکہ عوام میں بھی نسبتاً بلند حیثیت و منصب حاصل کر لیتا ہے۔

(۹) اصلاح کی کوشش تعمیری ہونی چاہیے جب کہ سزائے جسمانی اس کے خلاف ہے، حقیقتاً قوت کا استعمال مجرم کو اپنا رویہ رضاکارانہ بدلنے سے روک دیتا ہے۔

اثباتی نظریات میں رابع الذکر یعنی مجرم کی اصلاح بذریعہ سزا کوئی کلیہ نہیں، یہ انہی کے حق میں معتبر ہے جن پر عموماً غلبۂ خیر ہو، جو نفس کے عارضی دباؤ کو برداشت نہ کر پائے ہوں اور دانستہ یا نادانستہ جرم کے مرتکب ہو گئے ہوں۔ انکاری نظریات کی بنیاد مجرم اور معاشرہ کی مفروضہ بے تعلقی اور باہمی نفرت و تناؤ پر قائم ہے لیکن اسلام فرد کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

---

[۱] "Sociology of Deviant Behaviour" by B. Marshall Clinard. Pub. Holt, Rinehart and Winston, Inc., Third Edition, 1968. P.P. 200-201

معاشرہ کو تاکید ہے کہ تائب سے نہ تحقیرانہ برتاؤ کرے نہ اس کو تائب عنہ جرم پر عار دلائے بلکہ ایک بازیافتہ بھائی کی طرح اس کو سینہ سے لگالے، تاریخ اسلام اس کے متعدد عملی ثبوت رکھتی ہے جو بتاتے ہیں کہ یہ بات نہ محال ہے نہ مستبعد۔ آخر الذکر نظریہ مغرب میں بکثرت شائع ہے اور مغرب ہی کے ایک فاضل کے بیان[۵۱] کے مطابق قانون کی مخالفت کسی نہ کسی تشکل میں روز افزوں نظر آتی ہے اور اس کے اشارے موجود ہیں کہ یہ مطلع کردہ جرائم سے بدرجہا زیادہ پھیل گئی ہے۔

اب آئیے اختلافِ فکر و آراء کی طرف:

ہر شخص کے سوچنے کا ایک خاص انداز ہے جس کے پیچھے ذہنی سطح کا اختلاف بھی ہوسکتا ہے اور پیشہ واری و طبقاتی اختلاف بھی، اختلافِ حالات و طبائع بھی ہوسکتا ہے اور اختلافِ تجربات بھی، چنانچہ جرم کی سزا ہی کے متعلق اگر ایک سوالنامہ مرتب کرکے مجرمین، متاثرین، غیر متاثرین، پولیس، عدالت، ماہرین قانون، ماہرین نفسیات، ماہرین سماجیات ماہرین جرمیات وغیرہم سے جوابات مانگے جائیں تو یہ چیز واضح ہو جائے گی۔ اب ایک عامی اس الجھن میں پڑ سکتا ہے کہ ناپختہ و پختہ ذہنوں کے کثیر التعداد متضاد و متغیر مطالبات کس متحدہ دلیل کے تحت قبول کرے؟ اور اس کی یہ الجھن بجا ہے۔

سرمایہ دار و اشتراکی ممالک کے رجحانات | سرمایہ دار ممالک کو فرد کی تقدیس میں غلو ہے تو اشتراکی ممالک کو ریاست و اجتماع کے احترام کا جنون، گروہ اوّل قوت محرکہ (DYNAMIC ENERGY) کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے تو گروہ ثانی اقتصادی و معاشی بدحالی کو۔

سرمایہ دار ممالک میں جرائم سے متعلق قوانین نے متعدد کروٹیں بدلی ہیں، رجحان یہ ہے کہ آدمی کو ہر کام کی اجازت ہونی چاہیے جب تک کہ وہ جبر و تشدد اور دھوکا دہی سے خالی ہو،

---

۵۱ ایضاً۔ pp. 215-217

بالخصوص اخلاقی نظریات چونکہ فرد و اجتماع سے متعلق ہیں قانون کی حدود سے خارج ہیں، قانون کا دائرۂ عمل جتنا سکڑتا جارہا ہے ممنوعہ افعال کی شرح بڑھتی جارہی ہے اور قوت کا ہمہ جہت انحطاط رفتہ رفتہ قوی ہوتا جارہا ہے۔ انسان کے جذبۂ آزادی کو بھڑکا کر حدود متعین کرنے یا قیود لگانے کی کوشش نفس انسانی کی حقیقت سے ٹکراؤ اور مجرم کے افعال کی ذمہ داری صرف بگڑے ہوئے ماحول، نفسیاتی الجھنوں اور اعصابی عوارض پر ڈال کر اسے برائے خود قابل ہمدردی تصور کرنا فرد کی تقدیس و احترام میں غلو ہی کا ایک پہلو ہے۔

اشتراکی[1] ممالک میں بھی رجحان اخلاقی اقدار کے بے معنی ہونے کی طرف ہے، تعجب کہ فرد کے اعمال و اقوال سیاست و اجتماع کی ہیئت ترکیبی اور ریاست کی کارکردگی پر خفیف درجہ میں بھی اثر انداز نہیں ہوتے، اس سے بازپرس نہیں ہوتی۔ جرم کی بنیاد محض اقتصادی بدحالی تصور کرنے والے یہ لوگ اپنے ملک میں جرم کی موجودگی کی وجوہات پر غور نہیں کرتے۔

جرم کی جو قیمت معاشرہ کو پیسے کی شکل میں اور مجرمین کو ذاتی ناآسودگی کی شکل میں ادا کرنی پڑ رہی ہے غیر معمولی ہے گو اندازہ صرف اول الذکر ہی کا لگایا جاسکتا ہے یعنی بلحاظ قدر۔ برطانیہ میں سالانہ دو ہزار ملین پاؤنڈ (£ 2000,000,000) کا اندازہ لگایا گیا ہے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اس کا کم و بیش دس گنا۔[2]

---

[1] مارکس اور اس کے پیرو انگلز (ENGIL E.S) کو یقین تھا کہ پرولتاریوں کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اختلاف و تصادم کی کوئی گنجائش نہ ہوگی اس لیے سیاسی جبر کی نہ ضرورت ہوگی اور نہ امکان ہی باقی رہے گا نتیجتاً ریاست عضو معطل کی طرح خود بخود فنا ہو جائے گی لیکن کیا U.S.S.R. میں یہی ہوا؟

[2] "Crime and Personality" by H.J. EYSENCK. Pub. Routledge and Kegan Paul LTD. London and Henley, 3rd ed., 1977, p.14.

مغربی تحقیق نفسیات پر ایک نظر

مغربی محققین نفسیات کی خدمات سے انکار نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جذبۂ لاشعور کے پیچھے فرائڈ (المتوفی ۱۹۳۹ء) کا جبلت جنس کو، ایڈلر (المتوفی ۱۹۳۷ء) کا حب تفوق کو اور یونگ (المتوفی ۱۹۶۱ء) کا آرکی ٹائپ (Archetype) کو غیر معمولی قوت کے ساتھ کارفرما سمجھنا ان کے اپنے ذہنی فکر کے خاص ڈھانچہ اور تجرباتی تحقیق کے محدود و مخصوص میدان کا مرکب ہے۔ دراصل لاشعور میں متعدد منفی و مثبت جذبات ابلتے رہتے ہیں اور غلبہ و مغلوبیت کی جو شکلیں اندر ہی اندر بدلتی رہتی ہیں ان میں جبلت جنس اور حبِّ تفوق نفسِ غیر مہذب میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ یہ محققین اگر صفۃ الصفوۃ، تذکرۃ الاولیاء، احیاء علوم الدین، رسالۂ قشیریہ، عوارف المعارف، کشف المحجوب، طبقات الکبریٰ، روض الریاحین وغیرہ کتب تصوف میں بکھرے ہوئے احوال واقوال صوفیہ کی تحلیل وتجزیہ کرتے تو نفس امارہ (I.D) سے چل کر نفس لوامہ (Super - Ego) ہی پر نہیں ٹھہر جاتے بلکہ نفوس ملہمہ ومطمئنہ وراضیہ ومرضیہ سے گذرتے ہوئے نفس کاملہ تک پہنچ جاتے۔ صوفیہ کے نظریات منتہائے حسن وجمال وکمال عبودیت ان کی محدود و تشنہ کاوش کو نئی وسعتیں اور نئی گہرائیاں دیتے لیکن۔۔۔!

مغربی تہذیب کے تاریک گوشہ کو وسیع کرنے میں چونکہ ان محققین نفسیات کا (غالباً نادانستہ) ہاتھ رہا ہے ہم تحلیل نفسی میں سرزد ہوئی دو لغزشوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ مشتعل وغیر مشتعل نفس کے فرق کو نظر انداز کر دیا۔ جذبات واحساسات اشتعال سے پہلے معمولی قوت ارادی ہی سے قابو میں رکھے جاسکتے ہیں، اشتعال یا برانگیختگی کے بعد ان میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ پراگندگی کی شکل میں سامنے آتا ہے، اگر خواہش پوری ہو گئی تو اگرچہ ابتدائی درجہ میں سکون مل گیا لیکن اکثر نفس کو تقاضہ اور تسکین کا چسکہ لگ جاتا ہے، رفتہ رفتہ وقفہ کم سے کم ہونے لگتا ہے اور چونکہ ہر تقاضہ کی فوری تسکین دشوار ہے، ذہنی تناؤ شدید سے شدید تر ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ انسان دیوانگی کے

اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں نتائج و عواقب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اب ان سوالات کے جوابات کون دے کہ بے لگام نفس کی حد کیسے متعین ہوگی؟ کون متعین کرے گا؟ اور آیا یہ حد اس کے لیے قابل قبول بھی ہوگی۔؟

(۲) خواہشات پر پابندی کو جنسی و دماغی الجھنوں کا ماخذ اور دماغی نشو و نما میں حائل تصور کرنے میں سخت غلو کیا، نتیجتاً نہ صرف خود اعتمادی و قوت ارادی ہی متاثر ہوئے بلکہ کسبی مدارج نفوس بھی رسائی سے دور ہو گئے۔

اسلامی نظریہ حدود (جسے ہم آگے پیش کرنے کی کوشش کریں گے) کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے مذکورالصدر تفصیل سے کافی مدد ملے گی، انشاء اللہ تعالیٰ!

خارجی و داخلی دباؤ | سوال یہ ہے کہ مجرم جرائم کی طرف متوجہ کیوں ہوا؟ آیا کسی خارجی دباؤ معاشی، سماجی، شخصی، اجتماعی وغیرہ) کے ردعمل کے طور پر یا داخلی انتشار و تقاضہ سے مجبور ہو کر؟

خارجی دباؤ پر غور کیجیے، معاشرہ نے جہاں کہیں قرآنی تعلیمات بالخصوص رعایت حقوق، عدل و انصاف، اتحاد و اتفاق اور اخوت باہمی پر عمل، معاملات میں سچائی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ سے عملاً اختلاف و انحراف کیا، فرد و اجتماع دونوں پر زد پڑی اور ردعمل جرم کی صورت میں نمودار ہوا۔ یہ اسلام کا احسان ہے کہ اس بگاڑ کو جو معاشرہ نے اپنی نادانی سے پیدا کر دیا تھا مزید پھیلنے سے روکنے یا سدھارنے کا طریقہ بتا دیا، فساد پر بند لگانا ظلم و بربریت نہیں بلکہ عین انسانیت ہے۔

داخلی انتشار و تقاضہ پر غور کیجیے: ذہن میں کوئی خیال آیا یا جذبات منتشر ہوئے۔ شعور ادھر متوجہ ہوا، ارادہ بنا، اعصاب کو حرکت ہوئی اور اگر کوئی رکاوٹ سامنے نہ ہوئی تو فعل عمل میں آیا، پھر فعل کا نتیجہ دو صورتوں میں برآمد ہوا: داخلی[۱] اور خارجی[۲]۔ داخلی یوں کہ اگر ردعمل قوی تھا تو شعور پھر متوجہ ہوا ورنہ تحت الشعور کے ذخیرہ میں اضافہ ہوا۔

شعور کی توجہ کے ساتھ ساتھ طبیعت میں یا تو انشراح پیدا ہوا یا قبض و وحشت، انشراح کے ساتھ شعور کا رخ تعمیری سمت ہوا اور قبض و وحشت کے ساتھ تخریبی سمت۔ تعمیری ہونے کی صورت میں شعور نے ارتقار کی جانب قدم بڑھائے اور تخریبی ہونے کی صورت میں شعور ایک ہی جگہ الجھ کر رہ گیا اور احساس گناہ پیدا ہوا، اگر احساس گناہ میں ندامت پنہاں تھی تو قبض و وحشت کی چبھن کا سلسلہ چلا اور اس نے اس اذیت سے بچنے کی راہیں تلاش کرنی شروع کیں، اب اس کی دو صورتیں ہیں یا تو شعور دوسری طرف متوجہ رہے (مگر وقفہ وقفہ سے قبض و وحشت کی چبھن جاری رہے گی) یا کوئی راستہ سکون و انشراح کا نکل آئے ——— ——— توبہ یا سزا

اگر احساسِ گناہ میں بجائے ندامت کے خوف و ڈر رہا تو قبض و وحشت پیدا تو ہوئی لیکن ان کا تعلق اب خارجی اشیاء سے زیادہ قوی ہو گیا۔ (ذہنی ارتقاء میں خوف ایک خطرناک اور مؤثر رکاوٹ ہے اور اس کی موجودگی بعض صورتوں میں منفی اثرات کی وجہ بھی بن جاتی ہے) اب یا تو اس میں ضد اور ڈھٹائی پیدا ہوگی یا ایک ایسی اذیت کا سامنا ہوگا جو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی ہے۔ ضد اور ڈھٹائی اگر ہو تو شعوری اور ارادی طور پر وہ بار بار فعل کی طرف توجہ دے گا، آہستہ آہستہ خوف و ڈر ختم ہوگا، احساس گناہ ختم ہوگا اور احساسِ لذت کی پیدائش عمل میں آئے گی اور فعل میں پختگی پیدا ہوگی۔ کوئی غیر معمولی واقعہ یا جذبہ ہی اس صورت میں مؤثر ہوگا کیونکہ بعض وقت سزا تک ناکام ثابت ہوگی۔ رفتہ رفتہ کم ہونے والی اذیت اگر سزا مل جائے تو بڑی حد تک ختم ہو جائے گی ورنہ جب تک کوئی خارجی نئے فعل کو متصور کراتی رہے گی، اذیت جاری رہے گی۔

فعل کا نتیجہ اگر خارجی اور منفی ہوا تو متعدی ہوگا یا نہیں، اگر متعدی ہوا تو سزا ضروری ہوگی تاکہ منفی متعدی خارجی نہ شروع ہو، اگر متعدی نہ ہوا تو صلح و معافی کافی ہوئی یا سزا ضروری ہوئی۔ کیونکہ بعض وقت خارجی منفی غیر متعدی خارجی منفی متعدی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

اسلامی مقاصد | اصولِ فقہ[1] کے ماہرین نے شریعت اسلامی کے مقاصد و مصالح کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) مقاصد ضروریہ یا ضروریات

(۲) مقاصد حاجیہ یا جلب مصالح

(۳) مقاصد کمالیہ یا تحسینیات

یہ مقاصد قرآن ہی سے ماخوذ ہیں، ان کے علاوہ قرآن میں تین مشکلات کے حل کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے:

(۱) کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ضعف

(۲) مسلمانوں پر کفار کا تسلط مع قتل و جراح و انواع ایذاء

(۳) اختلاف قلوب جو سبب اعظم ہے امت مسلمہ کے زوال کا

فی الحال موضوع بحث چونکہ مقاصد و مصالح سے متعلق ہے ہم انہی پر قدرے روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) مقاصد ضروریہ | وہ اعمال و تصرفات ہیں جن پر مندرجہ ذیل چھ امور کی حفاظت و صیانت موقوف ہے:

(ا) دین (ب) نفس (ج) عقل (د) نسل و نسب (ھ) مال (و) احترام نفس

یہ سب امور ایک منظم، پرامن اور صالح حیات کے لیے ناگزیر و لابدی ہیں ان میں سے کسی ایک کا فقدان بھی انفرادی و اجتماعی ہر دو شعبۂ حیات میں فساد کا موجب بنتا ہے چنانچہ حفظِ دین کے لیے عبادات مشروع ہوئیں اور ارتداد جرم ٹھہرا، حفظِ نفس کے لیے قصاص، دیات وغیرہ مقرر ہوئے، حفظ نسب و نسل کے لیے عدت لازمی قرار پائی اور زنا حرام، حفظِ عقل

---

[1] دیکھئے عامۂ کتب اصول فقہ۔

کے لیے شرب خمر و مسکرات ممنوع ہوئے، حفظ مال کے لیے غصب و سرقہ اور قمار دربوا سے روکا گیا اور حفظ احترام نفس کے لیے غیبت و عیب جوئی حرام ہوئے اور حد قذف واجب۔

چونکہ مقاصد ضروریہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ جرائم کا سد باب نہ ہو، عقوبات کا باب کھولا گیا اور حدود، قصاص و دیات اور تعزیر کی سزائیں مقرر ہوئیں کہ مقاصد ضروریہ کی تحصیل کے راستہ کی یہ رکاوٹیں دور ہوں۔

(۲) مقاصد حاجیہ | وہ اعمال و تصرفات ہیں جن کے بغیر مقاصد ضروریہ کی حفاظت ممکن تو ہے لیکن جن کی حاجت ان مقاصد ضروریہ کے حصول میں سہولت اور ضیق و تنگی اور نقصان و حرج کے دفعیہ کے لیے پیش آتی ہے، چنانچہ مصالح متبادلہ مباح ہوئے کہ ہر ایک دوسرے سے فائدہ اٹھائے جیسے کہ بیوع و اجارات، مساقات و مضاربت وغیرہا۔

(۳) مقاصد کمالیہ | وہ امور ہیں جن کے ترک کر دینے سے نظام زندگی میں کوئی فتور تو واقع نہیں ہوتا مگر مکارم اخلاق اور محاسن عادات کی کارفرمائیاں ان سے وابستہ ہیں مثلاً ترغیب عفو، معاشرتی و معاشی امور میں اعتدال، آداب گفتگو و طعام وغیرہ، قرآن و سنت ان کی تعلیمات سے مملو ہیں۔

یہاں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) ایک تو یہ کہ کسی شے کے اچھے ہونے کا فیصلہ محض فوائد کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا ورنہ ایک زانی دعویٰ کرے گا کہ اس کو شہوت کے بارے سے نجات ملی اور اضطراب کو تسکین، اس لیے زنا اچھی چیز ہے، سارق بھی سرقہ کے مالی فوائد گنائے گا، شرابی بھی سرور و مستی کی کیفیت سامنے لائے گا، قاذف بھی تسکین نفس اور لذت یابی کو فائدہ شمار کرے گا۔ قاطع طریق بھی کہے گا کہ ادنیٰ سی شجاعت سے مال کثیر ہاتھ لگا اور مہاتی زندگی کا لطف آیا سو الگ، رہا مقتول سو وہ بھی تو زندگی کی کشاکش اور شب و روز کے رنج و الم سے آزاد ہو، وقس علیٰ ہذا۔ غرض یہ کہ اگر فوائد ہی کو بنیاد قرار دے کر مضرات سے قطع نظر

کی جائے تو پھر کوئی جرم جرم نہیں، کوئی گناہ گناہ نہیں۔
(۲) دوسرے یہ کہ شارع نے جس چیز سے روکا وہ اس بنا پر کہ اس میں مفسدہ وضرر غالب ہے ورنہ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ نفع وضرر اضافی امور ہیں۔
حدود و قصاص کے متخالف مسائل کا خلاصہ برائے تمیز درج کرتے ہیں:[1]
(۱) قاضی قصاص میں اپنے علم پر فیصلہ کرسکتا ہے جب کہ حدود میں نہیں کرسکتا۔
(۲) حدود میں وراثت جاری نہیں، قصاص میں ہے۔
(۳) قصاص کے برخلاف حدود میں عفو ودرگزر صحیح نہیں اگرچہ حد قذف ہی ہو۔
(۴) تمادی ایام قتل کی شہادت کے مانع نہیں اور حدود میں سوائے حد قذف کے مانع ہے۔
(۵) گونگے کے اشارے اور تحریر سے برخلاف حدود کے قتل ثابت ہوتا ہے۔
(۶) سفارش حدود میں جائز نہیں اور قصاص میں جائز ہے۔
(۷) حدود سوائے حد قذف کے دعوی پر موقوف نہیں اور قصاص میں دعوی لابدی ہے۔
مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ شریعت اسلامی میں عقوبات کا باب عموماً اور حدود کا باب خصوصاً ایک طرح سرجکل وارڈ (Surgical ward) کی حیثیت رکھتا ہے جس سے کوئی انسانی آبادی مستغنی نہیں ہوسکتی۔
چند اشکالات | بعض حلقوں کی جانب سے چند اشکال سامنے آئے ہیں:
(۱) اسلامی نظام منہاج نبوت پر بہت قلیل مدت تک قائم رہا۔!
(۲) صحابۂ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے برائے خود جرائم سرزد ہوئے یعنی خیر القرون

---

[1] "الاشباہ والنظائر" (درمز "الاشباہ") للعلامہ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، مصری مع شرحہ غمز عیون البصائر للعلامہ سید احمد الحموی۔ مطبعۃ العامرۃ۔ مصر ۱۲۹۰ھ۔ ج ۱۔

بھی جرائم سے مستثنیٰ نہیں!

(۳) قاضی اگر سلطانِ جائر نے مقرر کیا تو اس کے فیصلے قبول کرنا آیا صحیح بھی ہے؟

(۴) نفاذِ حدود معاشرہ کی اصلاحِ کامل سے پہلے ظلم ہے۔

(۵) سزائے[۱] رجم وقطعِ اعضاء وہ انتہائی صورتیں ہیں جو قرونِ اولیٰ میں حالات کے تحت جاری کی گئی تھیں، آج ان پر عمل پیرائی درست نہیں۔

آخرالذکر مسئلہ پر علمی رنگ میں بھی کلام کیا گیا ہے، اس موضوع پر ہماری کوشش ایک علیحدہ مقالہ کی شکل میں سامنے آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ دیگر اشکالات بھی تفصیل طلب ہیں لیکن فی الحال ہم سرسری جائزہ ہی لینے پر اکتفاء کرتے ہیں: (باقی آئندہ)

۱؎ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: "واعلم انہ کان من شریعۃ من قبلنا القصاص فی القتل، والرجم فی الزنا، والقطع فی السرقۃ، فھذہ الثلاث کانت متوارثۃ فی الشرائع السماویۃ واطبق علیھا جماھیر الانبیاء والامم"
(حجۃ اللہ البالغۃ" نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب کراچی۔ غیر مؤرخہ۔ (غ۔م۔ رمز ہوگا) ج ۲ ص ۴۵۰۔)

صراطِ مستقیم (انگریزی)

دی بیلنڈ وے' کے نام سے انگریزی زبان میں اسلام کی صداقت پر ایک معزز یورپین نومسلمہ خاتون کی یہ مختصر اور بہت اچھی کتاب۔ محترم خاتون نے اپنے اسلام قبول کرنے کے مفصل وجوہ بھی تحریر کیے ہیں۔ یہ ایڈیشن نہایت اہتمام سے صحت کے ساتھ طبع کرایا گیا ہے۔ جلد خوبصورت (فل کلاتھ بائنڈنگ) قیمت سات روپے: مکتبہ برہان، دہلی ۶